عمرہ رجب میں کیا تھا، جس میں بقول حضرت عائشہؓ عبداللہؓ بھی شریک تھے، اور ان کو شاہد عینی کا رتبہ حاصل تھا،

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، روایات سے آنحضرتؐ کے کل چار ۴ عمرے ثابت ہوتے ہیں، جن میں ایک تو یہی عمرۂ حدیبیہ ہے، دوسرا عمرۃ القضا جو ٹھیک انہیں ایام میں ۷؁ھ میں ادا فرمایا تھا۔ تیسرا فتح مکہ کے بعد عمرۂ جعرانہ کے نام سے مشہور ہے، جو متفقہ طور پر ذیقعدہ کا واقعہ ہے، اور چوتھا عمرہ حجۃ الوداع کے ساتھ ادا فرمایا تھا۔

ظاہر ہے کہ ان چاروں عمروں میں دو ۲ عمرے یعنی عمرۂ جعرانہ اور عمرۂ حجۃ الوداع تو رجب میں ہو نہیں سکتے، اس لئے یا تو عمرۂ حدیبیہ رجب میں ہوگا، یا عمرۃ القضا جس کے لئے آنحضرتؐ حسب معاہدہ ٹھیک اُن ہی ایام میں عازم مکہ ہوئے تھے، جس میں عہد نامہ حدیبیہ ہوا تھا۔

میری رائے میں عمرۂ حدیبیہ تو رجب شروع ہونے سے کچھ دن پہلے کا واقعہ ہے، لیکن عمرۃ القضاء ٹھیک رجب میں ادا کیا گیا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے جو اس کے رجب میں ہونے سے انکار کیا ہے، اس کی وجہ یہی مکی اور مدنی تقویم کا فرق معلوم ہوتا ہے، جس کو انھوں نے نظر انداز فرما دیا۔

نوٹ :- بعض علمائے تاریخ کا بیان ہے کہ صلح حدیبیہ کے سال ایک سورج گرہن بھی ہوا تھا مگر افسوس ہے کہ اس کا صحیح مہینہ محفوظ نہیں، تاکہ اس روایت کی جانچ کی جا سکتی البتہ اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ یہ گرہن شاید واقعۂ حدیبیہ کے بعد ہوا تھا، کنگھم CUNNIGHAM نے ۱۰ اپریل ۶۲۸؁ء کو ایک سورج گرہن کا پتہ دیا ہے۔ مگر معلوم نہیں کہ یہ حجاز میں نظر آ سکتا تھا یا نہیں، علمائے ہیئت غور فرمائیں۔ (باقی)

تصحیح

"گذشتہ اشاعت (یعنی برہان اکتوبر ۶۲؁ء) کے ص ۲۱۱ کی جدول میں پہلا ہی ہندسہ ۲ اکتوبر ۶۲۳؁ء غلطی سے ۲۰ اکتوبر ۶۲۳؁ء چھپا ہے،

اسی طرح ص ۲۱۲ میں غزوۂ ذات العشیرہ کے تحت "جمادی الاولیٰ = صفر ۲؁ھ مطابق اکتوبر ۶۲۳؁ء" غلطی سے ۶۳۵؁ء چھپ گیا ہے، قارئین تصحیح فرما لیں۔"

احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت

از مولانا محمد تقی صاحب امینی، ناظمِ دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

معاشرہ کی حالت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی ہے

معاشرہ کی حالت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی ہے بلکہ اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، یہ تبدیلی کبھی معمولی ہوتی ہے جو حالات کے اتار چڑھاؤ سے رونما ہوتی ہے اور کبھی ہمہ گیر ہوتی ہے جو ایک دَور کے بعد دوسرے دور کے آنے سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔

پہلی صورت میں زیادہ کد و کاوش کی ضرورت نہیں پڑتی ہے بلکہ چند احکام و مسائل کے موقع و محل میں تبدیلی سے کام چل جاتا ہے۔

لیکن دوسری صورت میں چند مسائل پر بات نہیں ختم ہوتی ہے بلکہ اُس کے لئے قانونی نظام کو نئے انداز میں ڈھالنے اور نئے قوانین وضع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

معاشرے میں جب توانائی ہوتی ہے اور رہنماؤں میں صلاحیت کے ساتھ ذمّہ داری کا احساس ہوتا ہے تو ترتیب و تدوین کا کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام پاتا ہے، لیکن جب معاشرہ کمزور و ناتواں ہوتا ہے، ادھر رہنماؤں میں بحیثیتِ مجموعی قومی و ملّی مفاد کا شدید احساس نہیں ہوتا ہے یا ذاتی و گروہی اقتدار کے تحفظ کی زیادہ فکر ہوتی ہے تو مذکورہ کام میں بڑی حوصلہ شکنی ہوتی ہے، اور ایک عرصہ تک مستقل و مسلسل جد و جہد کے بغیر کام کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے۔

مسلم قوم کے زوال نے ایک نئے دور کو جنم دیا ہے

مسلم قوم کے زوال نے ایک نئے دور کو جنم دیا ہے جس کے نظریات نے ایمان و اعتقاد کی بنیادیں ہلا دی ہیں اور معاشرہ کی جدید تشکیل نے مذہب و زندگی کے ہر شعبہ میں بے شمار

نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔

پہلے جو کام ایک گوشہ میں ہوا کرتا تھا اب اس کے لئے ایک وسیع دنیا وجود میں آگئی ہے، پہلے ایک فرد کی صلاحیت کافی ہوتی تھی اب تقسیم کار کے بغیر چارہ نہیں رہ گیا ہے، پہلے تجدیدِ دین کی بات ایک معاشرہ تک محدود تھی اب اس کا تعلق ایک "دور" سے ہو گیا ہے۔

ایسی حالت میں کسی ایک تنظیم و تحریک سے ملت کی تمام ضرورتوں کو وابستہ کرنا کس قدر ناتجربہ کاری ہے، اور خود تنظیم و تحریک کا ملت کے ہر گوشہ میں رہنمائی کا مدعی بننا کس قدر خود فریبی ہے؟

جو جس کا میدان ہے بس اسی تک اپنی جولانیوں کو محدود رکھے اگر کسی اور میدان میں دست درازی کا ارادہ ہو تو پہلے سے سبکدوشی کا اعلان کر دے ورنہ کام کسی میدان میں نہ ہوگا اور نام ہر ایک کی فہرست میں آجائے گا۔

قوم و ملت کو اپنے رہنماؤں سے یہی توقع رکھنی چاہیئے کہ ان کے پیش نظر کام ہے محض نام نہیں ہے،

مسلم قوم کی موجودہ حالت اس وقت مسلم قوم کا حال ایک ایسے مریض کا ہے کہ جس کے آثارِ صحت نمایاں ہیں لیکن کمزوری بدستور باقی ہے، جب کوئی مریض رو بصحت ہوتا ہے تو صرف دواؤں سے کام نہیں چلتا ہے بلکہ معتدل انداز میں غذا کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

اگر اس کو غذا نہ پہونچائی گئی تو نقاہت کی وجہ سے مزاج میں چڑچڑاپن پیدا ہو جائے گا، اور پھر دوا پینے سے بھی انکار کر دے گا۔

اور اگر خدانخواستہ ضد میں آکر طبیب کی ہدایت کے خلاف خود ہی غذا استعمال کرنے لگا تو بدپرہیزی کی وجہ سے اس کی زندگی کا جو حشر ہوگا وہ الگ رہا سوچنے کی بات یہ ہے کہ پھر طبیب و تیمار دار کا کیا مصرف باقی رہے گا؟ جب شاخ ہی پر دوسروں کا قبضہ ہو جائے گا تو آشیانہ کیسے برقرار رہے گا۔؟

جب وہ توانا تھی تو اس کو نئی غذا کی ضرورت نہ تھی جس وقت مسلم قوم قوی اور توانا تھی اس وقت نئی غذا کی ضرورت تھی اور نہ موجودہ غذاؤں کے لئے نئے ڈبے اور پیکٹ درکار تھے بلکہ ملکی اور معاشرتی قوانین کا جو ذخیرہ موجود تھا۔ وہ وقت اور موسم کے لحاظ سے کافی تھا اور حسب ضرورت استعمال کرنے میں آزادی تھی،

پھر ایسے حالات سے دوچار ہوئی کہ اس کی زندگی کا سب کچھ لُٹ گیا وہ بیمار ہوئی اور بیماری آخری ڈگری تک پہونچ گئی، لیکن چوں کہ اس کی روح میں وحی الٰہی کی آواز سرایت تھی اس بنا پر جان بچانے میں کامیاب ہوگئی۔

اس اثنار میں دوسری ضعیف وناتواں قوم اس کی زندگی کے روشن اور تاریک پہلو سے روشنی اور عبرت حاصل کرکے قوی وتوانا بن گئی، اُس نے زمانہ کا رُخ موڑا اور ایک نئے دور کا آغاز کیا۔

اب جبکہ مسلم قوم نے رو بصحت ہوکر زندگی میں دوبارہ قدم رکھنا چاہا تو وہ دور ختم ہوچکا ہے جس کا آغاز خود اس نے کیا تھا اور وہ دنیا لُٹ چکی ہے جس کو اپنے ہاتھوں بنایا اور سجایا تھا۔

پچھلا دور اپنی شکل میں پھر واپس نہیں آتا ہے

قانونِ فطرت کے مطابق کوئی "دور" اس طرح نہیں ختم ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ اپنی شکل میں واپس آجائے اور کوئی دنیا اس لئے نہیں لُٹتی ہے کہ وہ اپنی حالت پر پھر آباد کی جائے، یہ دنیا عالمِ کون وفساد ہے یہاں ہر بگاڑ کے ساتھ بناؤ اور ہر تخریب کے ساتھ تعمیر ہے، خود فطرت ہر گوشہ میں کاٹ چھانٹ کرتی ہے اور خوب سے خوب تر شئ کو فٹ کرتی ہے، جب کوئی شئے ایک جگہ فٹ ہوگئی تو کمتر شئے کے لئے وہ جگہ نہ چھوڑے گی بلکہ قبضہ کے لئے اس سے بلند و برتر شئے کا ہونا ضروری ہے۔

اس بنا پر یہ توقع فضول ہے کہ سابق دور واپس آجائے گا اور اس کے معاشرہ میں ملکی ومعاشرتی قانون علیٰ حالہٖ نافذ ہوں گے۔ (سابق دَور سے مراد اس کی عمارت ہے نہ کہ معنوی وروحانی خصوصیت کہ جس کی واپسی ہی میں فلاحِ عالم کا مدار ہے)

نئی دنیا کو قبول کئے بغیر چارہ نہیں ہے

جس نئی دنیا میں اس نے قدم رکھا ہے اگر اس میں رہنا اور چلنا ہے (اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے) تو اس کے احساسات وخیالات کو سمجھنا ضروری ہے اور تقاضوں ومطالبوں کو قبول کرنا ناگزیر ہے۔ حصولِ مصالح اور دفعِ مضرت کی بہت سی شاہراہیں تعمیر ہوچکی ہیں، معاشی اسکیموں اور فلاحی تجویزوں کا ایک انبار لگا ہوا ہے، صنعت وحرفت کی وسیع پیمانہ پر تنظیم ہوگئی ہے اور تجارت وغیرہ کی نئے انداز میں تشکیل ہوچکی ہے۔

بات صرف حاجت وضرورت پر نہیں ختم ہوتی ہے بلکہ جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کا سوال ہے اور زندہ رہنے کے لئے زندگی کے موجودہ سروسامان سے آراستہ ہونے کا معاملہ ہے،

ملکی و معاشرتی قوانین میں اضافہ اور تبدیلی کی ضرورت ہے

اِدھر ہمارے ملکی و معاشرتی قوانین میں بعض ایسے ہیں جن کا دور ختم ہو چکا ہے اور بعض ایسے ہیں جن کی دنیا لُٹ چکی ہے اور بہت سے وہ ہیں جن کے لئے نیا قالب تیار کئے بغیر چارہ نہیں ہے،

نیز موجودہ دور کے بہت سے قوانین اپنے ذخیرہ میں شامل ہونے کے لائق ہیں اور بہت سے معاملات کے لئے نئے قوانین وضع کرنے کی ضرورت ہے۔

قانون کی ترتیب و تنظیم کا یہ کام اگر معاشرتی تبدیلی کے اتار چڑھاؤ سے متعلق ہوتا تو زیادہ کدوکاوش کی ضرورت نہ تھی، چند احکام و مسائل کے موقع و محل میں تبدیلی سے کام چل جاتا اور اس کے ذریعہ وقت کی ضرورتیں پوری ہوتی رہتیں جیسا کہ تاریخ میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔

لیکن اس وقت کا کام مستقل دور کی تبدیلی سے متعلق ہے اس بنا پر چند مسائل کے اُلٹ پھیر سے بات نہ بنے گی، بلکہ فروعی نظام میں ترمیم و تنسیخ اور اضافہ کے ساتھ اس کو جدید انداز میں ڈھالنا ہے۔ اور اصولی نظام کی حفاظت کے ساتھ اس کو نئی ترتیب و تنظیم کا جامہ پہنانا ہے، ظاہر ہے یہ کام مستقل اور مسلسل جد وجہد کے بغیر نہیں انجام پا سکتا ہے۔

معاشرہ شریعت سازی کی بنیاد ہے

"معاشرہ" شریعت سازی کی بنیاد ہے اور احوال و مصالح عمارت تعمیر کرنے کے سامان، جب معاشرہ میں تبدیلی ہوگی تو لازمی طور سے احکامِ شرعیہ کی شکل و صورت بدلے گی۔

اور جب احوال و مصالح باقی نہ رہیں گے تو ان سے بنی ہوئی عمارت بھی ختم ہو جائے گی۔

ہدایتِ الٰہی نے ہمیشہ "شرائع" کے نزول میں بنیاد و سامان دونوں کا لحاظ کیا ہے اور اسی وجہ سے شرائع و مناہج کے اختلاف کو برقرار رکھا ہے۔

جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کسی زمانہ میں اِن کا لحاظ نہ کیا گیا تو شریعت اور معاشرہ کا رشتہ منقطع ہو جائے گا، پھر شریعت زندگی سے کنارہ کشی پر مجبور ہوگی اور یا اس کی چاکری میں مشغول رہے گی۔

ہدایت کے بنیادی قواعد میں نئے احوال و ظروف کی جگہ موجود ہے

جب تک نزولِ شرائع کا سلسلہ جاری رہا ہدایت نے صرف زمانۂ نزول کے معاشرہ کو اپنا مطمحِ نظر بنایا اور جب یہ سلسلہ بند ہوا تو ہدایت کے بنیادی

قواعد میں تمام ان نئے احوال وظروف کو بھی جگہ دی گئی جو بعد میں ظہور پذیر ہونے والے تھے، چنانچہ نزولِ ہدایت کے وقت عرب کا معاشرہ سادہ تھا، عقلی موشگافی اور تمدنی سج دھج کو اس میں دخل نہ تھا، سادہ ذہن کے مطابق احکامِ شرعیہ نہایت سادگی کے ساتھ عرب کے جسم وبدن پر فٹ آگئے۔

لیکن جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور ایرانی، رومی، کلدانی، حبشی، قبطی، ترکستانی اور سندھی قومیں اسلام کے حلقہ بگوش ہوئیں، یا زیرِ اقتدار آئیں تو وہ اپنا مخصوص معاشرہ اور تمدن ساتھ لائیں۔ ان کے عادات ومعاملات مختلف تھے، معاشی وسیاسی نظام میں تفاوت تھا، کہیں ایرانی تہذیب وقانون کو دخل تھا تو کہیں رومی تمدن وقانون کا اثر۔ غرض عجمیوں کے اختلاط سے ایک عجیب کشمکش پیدا ہوئی۔ اوران کے ساتھ معاملات سے نئی نئی ضرورتیں اُبھریں اور بہت سے نئے مسائل حل طلب قرار پائے، جن کی وجہ سے عرب کی سادگی کو دھکا پہونچا اور احکام کی سادگی کو تمدّن کی چاشنی دے کر ان کے دامن کو وسیع کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

دورِ اول میں رہنمایانِ ملت کی رہنمائی

یہ وقت رہنمایانِ ملت کے لئے نہایت نازک اور دشوار گذار تھا، اگر خدا نخواستہ ان پر جمود طاری ہوتا یا اسلام کو آزادی دینے والی قوت کے بجائے اس کو معطل کرنے والی آہنی زنجیر سمجھتے تو اسلام صرف عرب میں محدود ہو کر رہ جاتا اور ہمیشہ کے لئے اس کی عالمگیریت ختم ہو جاتی۔

لیکن فقہائے کرام کو اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ چین نصیب کرے انھوں نے جس انداز سے اسلام کی رہنمائی کے فرائض انجام دیئے اور نئے احوال وظروف کو جس ہمت کے ساتھ ہدایت کے وسیع دامن میں سمیٹا کہ قانون کی تاریخ اور ملی خدمات میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔

چنانچہ احکام وقوانین کا جو ذخیرہ ہمارے پاس موجود ومحفوظ ہے اس کی وسعت وتنوع کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہارون الرشید کی سلطنت جو سندھ سے ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی، وہ انہیں احکام وقوانین پر قائم تھی اور اس دور کے تمام واقعات ومعاملات انہیں کے مطابق فیصل ہوتے تھے۔

ہدایت کی پالیسی "امالہ" کی ہے "ازالہ" کی نہیں۔

معاشرتی یا نئے احوال وظروف کی رہنمائی میں ہدایتِ الٰہی کی پالیسی "ازالہ" کی کبھی نہیں رہی بلکہ ہمیشہ وہ "امالہ" ہی کی حکمت پر کاربند رہی ہے، یعنی تاریخ

کے کسی دور میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے کہ "ہدایت" نے معاشرہ کے مروجہ احکام ومراسم یا مرغوبات والوفات کے بارے میں شمشیر بے نیام ہو کر فیصلہ کیا ہو کہ جو بات مروّج دیکھی اس کو ختم کر دیا اور جو چیز لوگوں کی پسندیدہ ہوئی اس سے روک دیا بلکہ ہمیشہ اس نے لوگوں کی نفسیات اور مزاجی کیفیات کے پیش نظر اپنے لئے جو جامہ تیار کیا اس میں تقریباً وہی سب سامان لگایا جو مروّج اور معاشرہ میں موجود تھا، پہلے اس نے روح پھونکی اور نقشہ میں اُتارا پھر اپنے سانچہ میں ڈھال کر قبول کر لیا۔

عرب کا معاشرہ آخری ہدایت کا تشریعی مادہ ہے

دور جانے کی ضرورت نہیں ہے آخری ہدایت نے شریعت کے نام سے ملکی ومعاشرتی قوانین کا جو جامہ تیار کیا ہے اس میں عرب کے معاشرہ ہی کی ساخت وپرداخت کو دخل ہے، جس طرح ہر زمانہ کا معاشرہ اس وقت کی ہدایت کا تشریعی مادہ ہوتا تھا، اسی طرح عرب کا معاشرہ آخری ہدایت کا تشریعی مادہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہدایت کے بنیادی قواعد میں بعد کی ہونے والی تبدیلیوں کو سمیٹنے کی نہ صرف گنجائش اور وسعت ہے بلکہ حوصلہ افزائی اور تاکید ہے کہ اس کے بغیر عالمگیریت پہ حرف آتا ہے اور اسلام صرف ایک دور میں محدود ہو جاتا ہے۔

استفادہ کی بہت سی راہیں ہیں

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فقہائے کرام نے معاشرتی تبدیلیوں کو سمیٹ کر دکھایا اور ہر اس چیز کو قبول کیا جو قبول کرنے کے لائق تھی، ہر اُس مالی ومعاشی نظام سے استفادہ کیا جس سے استفادہ ملک وملت کے لئے ضروری یا مفید تھا۔

پھر استفادہ کے سرچشمہ کو کسی ایک راستہ میں مقید نہیں کیا بلکہ قیاس، استحسان، استصلاح، اور استدلال وغیرہ بہت سی راہیں نکالی ہیں جن کی طرف اشارہ ہدایت کے بنیادی قواعد میں موجود تھا۔

مشرق کی رہنمائی کا دور ختم ہوا، اب مغرب کی رہنمائی کا دور ہے۔ یہ وہی مغرب ہے جس کی معاشرت پر بداوت غالب تھی، اور تہذیب وتمدن کی چمک دمک سے ناآشنا تھی۔

لیکن اس نے دور کے بدلنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے، معاشرتی تبدیلیوں کے مقابلہ میں "دور" کی تبدیلی زیادہ اہم اور دور رس نتائج کی حامل ہوتی ہے، چنانچہ عبادات ومعاملات، معاشیات وسیاسیات، حدود وتعزیرات وغیرہ کا کوئی شعبہ اس کی زد سے محفوظ نہیں ہے۔